نفی سے اثبات تک......علی پور کا ایلی

سفیر حیدر، لیکچرر، شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

This article presents the social & psychological analysis of a character "Aayli" from the famous novel of "Ali Pur ka Aayli" by Mumtaz Mufti. The article reveals the fact that where the Intense interaction between a man & his evironment often results in self-destruction, at the same time those who have optimistic sense are able to turn such negative circumstances into positive one ultimately a new positive self emerges out and Aayli is the name of such character.

ممتاز مفتی کے ناول ''علی پور کا ایلی'' کو اُردو کے نمائندہ ترین ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ڈاکٹر محمد احسن فاروقی نے اس ناول کی تعریف میں کہا تھا کہ کئی سال پہلے انہوں نے کتاب تحریر کی تھی ''ناول کیا ہے؟''اور علی پور کا ایلی کی اشاعت کے بعد وہ ناول کی شکل دکھا سکتے ہیں۔[1] ممتاز مفتی نے اس ناول میں اپنی ہی سرگذشت بیان کی ہے۔اور مرکزی کردار ایلی وہ خود ہیں۔ اختصار کی خاطر کرداروں کی بھیڑ میں سے ایلی اور شہزاد کے تجزیاتی مطالعہ سے ممتاز مفتی کے نفسیاتی اور معاشرتی سطح پر ارتقائی انسان کو پیش کرنا مقصود ہے۔

ایلی کی صورت میں فرد کو حالات کے تصادم کو معاشرتی تطابق میں منقلب ہوتے دکھایا گیا ہے۔زندگی کے ناقابلِ حل اور ناقابلِ گریز رویے کے مقابل بعض اوقات لوگ ڈٹے رہتے ہیں اور وہ بھی غیر محسوس طور پر، بغیر کسی دعویٰ کے، بغیر کسی خود پسندی کے، بلکہ احساسِ کمتری کے ساتھ، شکستہ حالی کے ساتھ، لیکن ڈٹے رہتے ہیں، اس لیے بالآخر کامران ٹھہرتے ہیں۔ ممتاز مفتی جو کہ ایلی بھی ہیں اور اپنے مختصر نام 'بولی' کے وزن پر انہوں نے ایلی کا نام منتخب کیا تھا، اپنے تمام تر خاندانی انتشار والد کی منفی شخصیت اور اس کے اثرات، ذاتی داخلی دربدری، جذباتی حادثات اور نفسیاتی شخصیت کے بارہا انہدام کے باوجود دُنیا میں اپنا مقام بنانے میں کامیاب رہے اور یہ فتح مندی دراصل ہر اس انسان کی فتح ہے، جو زندگی سے جڑ کر کسی متعین باطنی راستے پر گامزن رہتے ہیں۔ یہ راہِ شوق کے مسافر انسانوں کا نمائندہ کردار ہے۔ان حادثات سے گزر کر ملنے والی عزت اور عظمت ڈاکٹر نجیبہ عارف کے الفاظ میں ''ایک زیادہ گہری اور پُر وقار کامیابی ہے جس میں علائق زمانہ جو اس کو تنکے کی طرح بہا لے جانے پر تُلے ہوئے تھے بالآخر اس کے لیے بے معنی ہو جاتے ہیں اور وہ ایک عظیم بے نیازی اور بلندی کے استھان پر جا کھڑا ہوتا ہے ۔جہاں مصائب اور دشواریوں سے آلودہ دُنیا اسے بازیچۂ اطفال معلوم ہونے لگتی ہے اور زندگی اپنے معنی خیز اور گہرے مفاہیم

کے ساتھ اس پر آشکار ہو جاتی ہے''۲ لیکن زندگی اپنے اسرار کے دروازے پہلی دستک پر نہیں کھولتی سنگِ درِ جانانہ بننا پڑتا ہے اور لمحہ لمحہ شکست و ریخت سے گزر کر اور خاکستر سے آپ اپنا آپ جہاں پیدا کرنا پڑتا ہے۔ ایلی ناول کے اختتام پر جس گہری بصیرت کے حامل فرد کے روپ میں ڈھلتا دکھائی دیتا ہے۔ اس فرد کی تپسیا کا ثمر ہے جس نے داخلی اور خارجی کئی قسم کی خاردار تاروں کو نڈھال جسم اور زخمی روح کے ساتھ عبور کیا ہے۔ڈاکٹر نجیبہ عارف نے اس کے کردار کو منفی سے مثبت کی نمو کا فکری اور مکمل تجزیہ قرار دیا ہے۔۳ 'علی پور کا ایلی' میں محبت کے ذریعے آگہی کی منزل کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ایلی نے اس آگہی اور بصیرت اور ادراک کی خاطر بچپن کی انوکھی تلخیاں بھگتیں اور جوانی میں معمول کی محبت سے ہٹ کر المیہ انجام سے دوچار ہونے والی محبت کی چوٹ برداشت کی۔''یہ آفاقی حقیقت ہے کہ انسان کو اپنے فہم و شعور کی قیمت پیشگی ادا کرنی پڑتی ہے'علی پور کا ایلی' اس آفاقی حقیقت کا مکمل اظہار ہے''۴ ایلی کا کردار ممتاز مفتی کے نمائندہ انسان کی تصویر ہے یہ انسان مثالیت اور رومانویت کی دھند میں لپٹا ہوا نہیں بلکہ یہ اس حقیقی دُنیا کا باسی ہے جہاں رشتوں کا تقدس روندا جاتا ہے، جہاں شفیق اور مہربان رشتے اپنی ذمہ داریوں سے قطعی طور پر دستبردار ہو جائیں اور باپ کے ہوتے ہوئے بچہ حالتِ یتیمی میں زندگی بسر کرے۔ جہاں نفسیاتی الجھنیں ورثے میں ملنے والی واحد جائیداد ہوں اور روحانی خلاء فرد کو کسی پناہ کی تلاش میں عجیب و غریب بندھن میں جوڑ دے۔زندگی کی زد سے بچانے کی ہر لمحہ کوشش ہے اور اس سارے عمل پر مستزاد خون اور دہشت میں شرابور انسانی تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت 'علی پور کا ایلی' کا نمائندہ انسان جب عشق کے تجربے سے گزرتا ہے تو ارتقاء کی کون سی منازل طے کرتا ہے اس کی تفصیل ملاحظہ کیجیے:

> ''یہ محبت اپنے تمام جسمانی، روحانی اور ذہنی و نفسیاتی تناظر میں فرد کی قلبِ ماہیئت کرتی اور اسے عدم سے وجود کا راستہ دکھاتی ہوئی نظر آتی ہے......اس عشق کا حاصل فہم و ادراک کی وہ منزل ہے جہاں انسان زندگی کے وسیع کینوس پر ایک بھرپور نظر ڈالنے کا اہل ہو جاتا ہے......عشق کے ہاتھوں فنا کی جس منزل سے ایلی گزرتا ہے وہ اسے بقا کی ایک نئی جہت سے آشنا کرتی ہے اسے ایک باطنی قوت فراہم کرتی ہے جو اسے تخلیقی توانائیوں سے سرشار کر دیتی ہے...اب وہ نباضِ فطرتِ انسانی ہے وہ دکھ بانٹنا چاہتا ہے وہ زندگی کی طغیانی میں ہاتھ پاؤں مارتے، کبھی ڈوبتے، کبھی اچھلتے کبھی سیراب ہوتے انسانوں کا عصا بن سکتا ہے اس کے چہرے پر محرمِ رازِ درونِ مے خانہ کا وقار ہے''۵

ایلی زندگی کے اہم فیصلے کرتا بھی نظر آتا ہے مگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو اس کی فیصلہ سازی کے سرچشمے حالات کی آغوش میں پل رہے ہیں اس تناظر میں ابنِ انشاء نے اپنے شاعرانہ انداز میں بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ ایلی پر''ناحق خود مختاری کی تہمت'' ہے کہ وہ تو اپنی تینوں حیثیتوں میں یعنی علی احمد (باپ) کے ساتھ رشتے میں شہزاد کے ساتھ یا سادی کے معاملے کے درمیان، ہر حالت میں''کوڑے کھاتا پابجولاں چلا جا رہا ہے، چلا جا رہا ہے۔''۶

ایلی متضاد جذبوں کے حصار میں محبوس انسان کی تمثال کے طور پر سامنے آتا ہے اور ایلی کی صورت میں تضادات کی ہم آہنگ پیش کش کو ممتاز مفتی کا کارنامہ قرار دیا گیا ہے کہ''ایلی میں اتنی سڑاہند ہے، اتنی خوشبو ہے، اتنی کثافت ہے...اتنی رنگینی ہے، لطافت ہے، اتنا نیا پن ہے......اتنی جاذبیت ہے یہ سمجھ نہیں آتا کہ مفتی نے اتنی متضاد عناصر کو ہم آہنگی کی لڑی میں کیسے پرو

دیا ہے۔''ے

شہزاد کے لیے ایلی کا جذبہ غیر مشروط محبت کا ہے۔شہزاد بعدازاں اپنے احساسِ جُرم اولاد کی محبت یا کسی بہکاوے کے پیشِ نظر ایلی پر الزامات بھی لگاتی ہے، مقدمہ بازی کی نوبت بھی آجاتی ہے لیکن ایلی سرتاپا محبت میں غرق رہتا ہے شہزاد ٹی بی کی مریضہ ہوکر جان دیتی ہے اور ان کے درمیان جو آخری مکالمہ ہوتا ہے وہ ناول کی پوری جذباتی فضا کو جگمگا دیتا ہے اور اسے اعلیٰ انسانی قدروں سے ہم آہنگ کردیتا ہے۔ دوانسان خالصتاً انسانی سطح پر ہم کلام ہیں۔مکالمہ کچھ یوں ہے:

''اچھا'' وہ بولا ''میں آجاؤں گا۔''

''کہاں'' اس نے پوچھا۔

''تمہارے پاس۔''

''سچ''

''ہاں'' ایلی نے کہا۔''آج جاکر چھٹی لے آؤں گا ایک مہینے کی۔''

''ایک مہینے کی'' میں نے پوچھا۔

''ہاں'' اکٹھے رہیں گے''

''اچھا'' اس نے ایلی کا ہاتھ دبایا۔''کب تک مل جائے گی''۔

''ہفتے کے اندر''

کیوں؟

''ہفتہ نہیں'' وہ بولی ''جلدی''

''اچھا میں کوشش کروں گا۔اب جاتا ہوں''

''اچھا'' شہزاد نے بیٹھنے کی کوشش کی ''اگر جانے سے پہلے کوٹھے پر چھوڑ آؤ۔''

''کیا مطلب'' ایلی نے کہا:

''سو سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتی۔دھوپ میں پڑی رہوں تو آرام رہتا ہے۔''

''اُٹھا کر لے چلوں''

''ہاں'' وہ بولی اور کھانسنے لگی۔

ایلی نے اسے دونوں بازوؤں سے اٹھا کر اپنے سینے سے لپٹا لیا وہ یوں اس کی چھاتی سے چمٹی ہوئی تھی جیسے کوئی بچہ ماں کی چھاتی چمٹا ہو۔

''آؤں گا'' تو روز تمہیں کوٹھے پر لے جایا کروں گا''

''ہاں'' دھوپ میں آرام رہتا ہے۔''

''اکٹھے دھوپ میں بیٹھا کریں گے۔''

ایلی اسی چارپائی پر لٹانے لگا تو شہزاد کا سر پلنگ کے پائے سے ٹکرا گیا۔

''اوہ'' وہ بولا۔تمہیں چوٹ آئی ہے۔''

''اچھا ہوا'' وہ بولی

ظاہر ہے کہ شہزاد کو بے حد چوٹ لگی ہے۔

''مجھ سے غلطی ہوئی ہے''

''اچھا ہوا'' تمہارے ہاتھوں چوٹ آنی ہی تھی مجھے''

''کیوں۔''

''بس اچھا ہی ہوا'' وہ کھانسنے لگی۔

وہ دیر تک اس کا سر ہاتھوں میں ملتا رہا اور اسے پیار سے دباتا رہا۔وہ ابھی محبت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اچھا میں اب جاتا ہوں'' وہ بولا۔

شہزاد نے چپ چاپ اسے دیکھا۔اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔''۸

اُردو فکشن میں عورت کے اہم ترین کرداروں میں سے ایک کردار شہزاد کا ہے۔محمد عمر میمن نے اس کتاب کی جان شہزاد کو قرار دیا ہے ''ایک بے باک رنگین معطر عورت'' جس کے ایک پہلو میں نائکہ بندھی ہے۔ دوسرے میں راہبہ، تیسرے میں کلاسیکی مشرقی عورت ......مونگیا کٹھڑی میں دھڑکتا ہوا دل اور چوتھے میں عشق سے سرشار پنجابن بلّی۔''۹ لیکن یہاں شہزاد کے ساتھ ترشکستِ خوابِ محبت کے بعد ایلی کا ازسرِ نو ملائمت اور عجز آمیز محبت کا رویہ دراصل ایلی کی داخلی شخصیت کی نمو کا استعارہ ہے۔

ایلی اور شہزاد کے علاوہ بھی اس ضخیم ناول میں ایسے کردار ہیں جو مختلف انسانی طرزِ عمل کے نمائندہ بن کر سامنے آتے ہیں،صفیہ اگر نفی ذات کی علامت ہے تو سادی محبت کے نوخیز جذبے کی اور سب سے بڑھ کر ہوس کی تمثیل بن کر سامنے آنے والا ایلی کا باپ عظیم جمم کے اس ناول میں بقول مسعود مفتی:

> ''ایسے کردار پھدک پھدک کر باہر آتے جو شیطان اور فرشتے کے خواص یکجا کر کے اپنے انسان ہونے کا ثبوت دیتے ہیں ہم اور آپ جیسے انسان۔جن کا طرزِ عمل، بیرونی حالات، اندرونی ذہنی کیفیت اور نفسیاتی الجھنوں کا مرکب ہے۔''۱۰

علی پور کا ایلی کے ان کرداروں میں ایلی کے کردار کے پیچ وخم، انہدام ذات سے تعمیر نو کا سفر، نفی سے اثبات تک رسائی، معاشرتی تصادم سے نکل کر سماجی تطابق کی منزل کا حصول انسان کے ان حوصلوں کی تمثال بن کر سامنے آتا ہے کہ جو پاشکستگی کے باوجود، نوسر کے بل ہی سہی راہ شوق پر گامزن رہتے ہیں یہاں انسان مسلسل ارتقاء کی علامت بن کر سامنے آیا ہے۔ بقول ثروت حسین:

آکھو آکھو آکھ
ساری رات جلا میں ثروتؔ
پھر بھی ہوا نہ راکھ

حوالہ جات:

۱۔ احسن فاروقی، ناول کیا ہے، لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۶۰ء، ص: ۱۴۰

۲۔ نجیبہ عارف، ممتاز مفتی......شخصیت وفن، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۷ء، ص: ۹۵

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

۵۔ ممتاز مفتی، علی پور کا ایلی، لاہور: مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۶۱ء، ص: ۱۹۰

۶۔ ایضاً، ص: ۳۹۰

۷۔ ایضاً، ص: ۳۱۰

۸۔ ایضاً، ص: ۲۰۴

۹۔ ایضاً، ص: ۴۰۳

۱۰۔ بحوالہ نجیبہ عارف، ممتاز مفتی......شخصیت وفن، ص: ۱۷۰